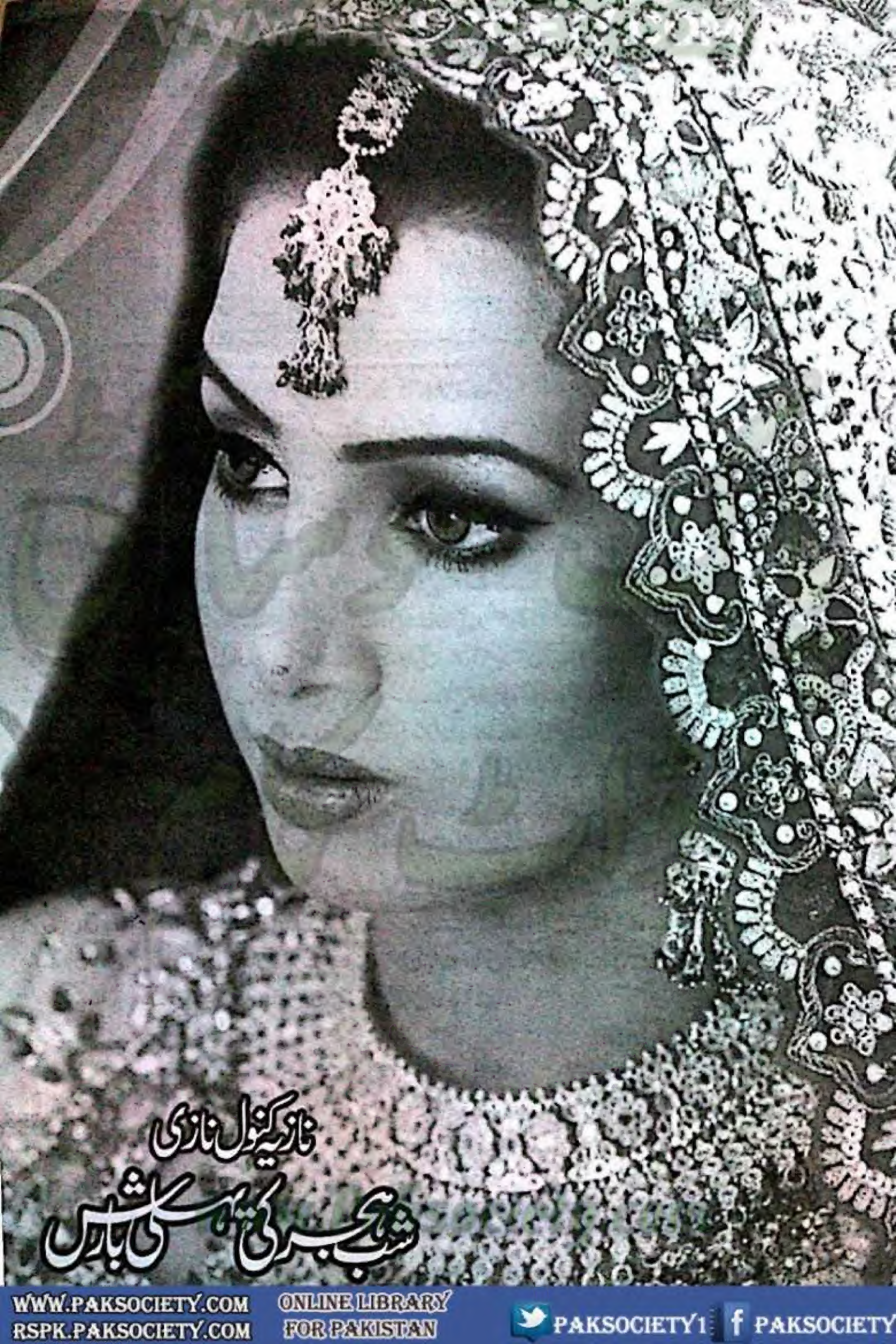

نازیہ کنول نازی
شب ہجر کی پہلی بارش
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

قسط نمبر 3

عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید عید سعید

کبھی ہم بھیگتے ہیں چاہتوں کی تیز بارش میں
کبھی برسوں نہیں ملتے ہلکی سی رنجش میں
بہت سے زخم ہیں دل پر مگر ایک زخم ایسا ہے
جو جل اٹھتا ہے راتوں میں جو لَو دیتا ہے بارش میں

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

زاویار کے ہاتھوں اس تذلیل پر عائلہ خود کو کمرے میں قید کرلیتی ہے وہاں آفس پہنچ کر جب صمید حسن کو اس واقعہ کا علم ہوتا ہے تو بے حد حیران رہ جاتے ہیں انہیں زاویار سے اس عمل کی توقع نہ تھی۔ عائلہ سدید کو اپنی پریشانی بتاتی ہے جس پر وہ غصے سے کھول اٹھتا ہے۔ عائلہ قریبی تعلقات کی بنا پر صمید حسن سے رابطہ بحال رکھتی ہے کہ صمید حسن زاویار کی غلطی پر عائلہ سے معذرت طلب کرتے ہیں جس پر زاویار ایک مرتبہ پھر برہم ہوتا ہے اسے اپنے گھر والوں کا اس مڈل کلاس لڑکی سے تعلق قطعاً پسند نہیں آتا۔ وہ گھر والوں سے ناراض ہوتے ہوئے امریکہ واپسی کا ٹکٹ کنفرم کراتا ہے جبکہ گھر والے اس پر سخت رنجیدہ ہوتے ہیں اپنی دوست جولی سے وہ اپنی واپسی کا ذکر کرتے تمام بات بتاتا ہے جس پر وہ اسے نئی راہ سمجھاتے وہیں رہنے اور بزنس سنبھالنے کا مشورہ دیتی ہے۔ صمید حسن ایک مرتبہ پھر ماضی کی بھول بھلیوں میں گم ہوجاتے ہیں۔ بریرہ کی خراب طبیعت کی بنا پر مریرہ سارے کام خود سنبھالتی ہے اس دوران اس کی تعلیم کا بہت حرج بھی ہوتا ہے جس پر صمید حسن سے باقاعدہ ٹیوشن لینے کا آغاز کرتی ہے۔ دوسری طرف بریرہ سکندر کے قطع تعلقی پر رنجیدہ رہتی ہے صمید حسن کی اطلاع پر انہیں پتا چلتا ہے کہ سکندر علوی وہاں شادی کرچکا ہے یہ خبر بریرہ کے لیے جان لیوا ثابت ہوتی ہے اور وہ ایک مردہ بچے کو جنم دے کر خود بھی رخصت ہوجاتی ہے۔ ان حالات میں کرنل علی اور مریرہ کی شادی صمید حسن سے کرنے کی بات کرتے ہیں اور یوں وہ دونوں شادی کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں۔ صمید حسن اپنی تعلیم مکمل کرکے چھوٹی سی فیکٹری میں شیئر حاصل کرکے اپنی عملی زندگی کا آغاز کرتے ہیں یہاں بھی کرنل شیر علی ہر طرح ان کی مدد کرتے ہیں۔ صیام درمکنون کو لینے اس کے گھر پہنچتا ہے اس کا ارادہ آفس پراجیکٹ کے سلسلے میں دی جانے والی پارٹی میں درمکنون کو لے جانے کا تھا جب ہی درمکنون تیار ہوکر اس کے ہمراہ روانہ ہوتی ہے۔ وقار ہاؤس پہنچ کر صیام کے ساتھ چلتے وہ اس کا ہاتھ تھام لیتی ہے جبکہ صیام حیران رہ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❖⌘......⌘❖⌘......⌘❖

کتنی زلفیں کھلیں، کتنے آنچل اڑے
چاند کو کیا خبر؟
کتنا ماتم ہوا، کتنے آنسو بہے چاند کو کیا خبر؟
مدتوں اس کی خواہش میں چلتے رہے ہاتھ آتا نہیں

چاہ میں اس کی ہیں پیروں میں آبلے' چاند کو کیا خبر؟
وہ جو نکلا تو بھٹکتے رہے ہیں مسافر کئی
اور لٹتے رہے ہیں کئی قافلے چاند کو کیا خبر؟
وہ تو اپنی ہی نگری میں مدہوش ہے' کب سے خاموش ہے
کون راجہ بنا' کتنے سید لٹے' چاند کو کیا خبر؟
اس کو دعویٰ بہت میٹھے پن کا وصی' چاندنی سے کہو
اس کی کرنوں سے کتنے ہی گھر جل گئے چاند کو کیا خبر؟

وہ ابھی سو کر اٹھی تھی۔

کھڑکی کے اس پار پھیلی نکھری اجلی دھوپ نے اسے میٹھی نیند سے بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

کل' حسن پیلس' سے واپسی کے بعد وہ بہت بے سکون رہی تھی۔

زاویار کا لہجہ' اس کی نفرت' اس کے الفاظ سے جھلکتی تحقیر' اسے نہ چاہتے ہوئے بھی ایک عجیب سی تکلیف میں مبتلا کررہی تھی۔ رات یونہی اس کے بارے میں سوچتے سوچتے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ سدید جس وقت کھانا کھا کر اس کے کمرے میں آیا' وہ سوچکی تھی' تاہم کمرے کی جلتی ہوئی لائٹ نے اسے پریشان کیا تھا' تب ہی وہ بنا اسے بیدار کیے اس کی تھکن کے پیش نظر فوراً اس پر کمبل ڈال کر لائٹ آف کرتے ہوئے اس کے کمرے سے نکل آیا تھا۔

عائلہ بیدار ہونے کے بعد فریش ہوکر کمرے سے باہر آئی تو سدید اور کرنل شیر علی ناشتے کی میز پر موجود شاید اسی کی ذات کو ڈسکس کررہے تھے' کیونکہ اسے دیکھتے ہی سدید نے اسے سائل پاس کی تھی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام' صبح بخیر!"

جواب سدید کی طرف سے آیا تھا۔ وہ چپ چاپ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"رات کہاں تھے تم؟"

"بابا کو بتا کر ایک دوست کی طرف گیا تھا' تمہاری طبیعت کیسی ہے اب؟"

"فٹ اینڈ فائن' آج تم مجھے آفس ڈراپ کرکے آؤ گے۔"

"وجہ؟"

"بس..... میرا دل چاہ رہا ہے آج تمہیں آفس سے لیٹ کروانے کو۔"

"ہاہاہا..... تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں آج آفس نہیں جارہا۔"

"کیوں..... آرمی والوں نے بھگا دیا؟"

"ہوں..... یہی سمجھ لو۔"

"دیکھا..... میں کہتی تھی ناں تمہاری کسی کے ساتھ نہیں بن سکتی۔"

سدید کی اطلاع پر وہ جیسے خوش ہوئی تھی' کرنل صاحب مسکرادیئے' وہ فطرت اور عادتوں میں بالکل مریہ صمید پر گئی تھی اور سدید..... صمید حسن پر۔

وقت جیسے پھر سے پلٹ آیا تھا' کردار بدل گئے تھے' محبت نے اپنا روپ بدل لیا تھا' وہ چپ چاپ محبت بھری نگاہوں سے ان دونوں کی نوک جھونک کو دیکھتے رہے۔

"زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے مذاق کررہا تھا۔" اگلے ہی پل سدید نے مسکرا کر عائلہ کو چڑایا تھا جواب میں وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"تم ہو بھی مسخرے پتہ نہیں تمہاری بیوی تمہیں کیسے برداشت کرے گی؟"

"کرلے گی تم اس کی ٹینشن نہ لو۔" وہی اس کی ازلی بے نیازی وہ کڑھ کر رہ گئی۔

"مجھے کیا ضرورت ہے ٹینشن لینے کی چلو اٹھو مجھے دیر ہورہی ہے آفس سے۔"

"سوری میرا موڈ نہیں ہے۔" وہ صاف اسے تنگ کررہا تھا عائلہ نے اپنا روئے سخن کرنل صاحب کی طرف موڑ لیا۔

"بابا دیکھ رہے ہیں اسے صبح صبح تنگ کررہا ہے۔"

"ہوں دیکھ رہا ہوں کرتے ہیں کچھ اس کا بندوبست بھی تم ٹینشن نہ لو۔" کرنل صاحب کا کہنا تھا اور سدید کا قہقہہ لگا کر ہنسنا تھا وہ حیران ہی ان دونوں کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

"چلو...... تمہیں آفس سے دیر ہورہی ہے۔" اگلے ہی پل شرارت سے اس کی پونی کھینچتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کرنل صاحب دیر تک ان دونوں کے بارے میں سوچتے ہوئے مسکراتے رہے۔

❖ ⌘......⌘ ❖ ⌘......⌘ ❖

"عائلہ......" تیزی سے کی بورڈ پر انگلیاں چلاتی وہ مکمل طور پر اپنے کام میں مصروف تھی جب پرہیان ان کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ پلٹی تھی۔

"ارے پرہیان...... تم یہاں؟"

"جی ہاں تم نے فون نہ اٹھانے کی قسم کھائی ہے میں نے سوچا خود ہی چلی آؤں۔" اس کے گلے لگتے ہوئے وہ شکوہ کرگئی تھی۔ عائلہ مسکرادی۔

"ایسی بات نہیں ہے اصل میں میرا سیل سائیلنٹ پر تھا اور کام کی مصروفیت میں دیکھنے کا وقت ہی نہیں ملا خیر کیسی ہو مجھے کیوں یاد کررہی تھیں؟"

"کھڑے کھڑے سارے سوال پوچھ رہی ہو یہاں اس کمرے میں بٹھا کر حال پوچھنے کا رواج نہیں ہے کیا؟" ٹشو سے چہرے پر آیا ہلکا ہلکا پسینہ صاف کرتے ہوئے اس نے عائلہ کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا تھا پھر اس سے پہلے کہ عائلہ کچھ کہتی وہ بول اٹھی۔

"خیر...... میں بیٹھنے نہیں آئی ہوں تم ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ مارکیٹ چلو۔"

"یارا بھی نہیں جاسکتی۔"

"کیوں؟"

"ابھی بہت مصروف ہوں اور پھر تمہارا کھڑوس بھائی بھی اس وقت آفس میں موجود ہے۔"

"تو کیا ہوا؟ میں بھائی سے پوچھ لیتی ہوں۔"

"نہیں یار اس نے خود مجھے کام میں پھنسایا ہے اسے تو بس موقع چاہیے کہیں بھی میری انسلٹ کرنے کا۔"

"پرہیان۔" عائلہ کے لفظ ابھی منہ میں تھے کہ دہلیز پر کھڑے زاویار حسن کی پکار نے اسے دانتوں میں زبان دبانے پر مجبور کردیا۔

"جی بھائی۔"

"باہر گاڑی میں چل کر بیٹھو میں آتا ہوں۔" دونوں ہاتھ پینٹ کی پاکٹس میں گھسائے وہ بہت خشمگیں نگاہوں سے

عائلہ علوی کو دیکھ رہا تھا۔ تبھی پر ہیان بولی۔

''عائلہ کو بھی ساتھ لے چلیں بھائی، پلیز۔''

''عائلہ ابھی فارغ نہیں ہے، تم چلو۔'' اس کا لہجہ اتنا خشک تھا کہ پر ہیان مزید بحث نہ کر سکی تاہم اس کے چہرے پر پھیلی مایوسی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

عائلہ نے کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھنے کے بعد توجہ پھر سے سامنے رکھی اسکرین پر مرکوز کر لی تھی۔ تب ہی پر ہیان کے کمرے سے نکلنے کے بعد زاویار اس کے مقابل آیا تھا۔

''بہت اونچی ہواؤں میں اڑ رہی ہیں آپ مس عائلہ علوی، مگر یاد رکھیے، میں آپ کو آپ کی اوقات یاد دلا کر رہوں گا، میرے گھر والوں کی مہربانی ہے، جو آپ یہاں اس ادارے میں کام کر رہی ہیں ورنہ دو ٹکے کی اوقات نہیں ہے آپ کی۔''

''صحیح کہا آپ نے۔'' اس کے سرد لہجے پر وہ بہت ضبط سے کام لیتے ہوئے بولی تھی۔

''میری اوقات واقعی دو ٹکوں کی نہیں ہے، مگر آپ کی اوقات کتنے ٹکوں کی ہے یہ بتا سکتے ہیں؟''

''جسٹ شٹ یور ماؤتھ اوکے۔'' وہ بھنایا مگر عائلہ نے پروا نہیں کی۔

''یو شٹ اپ...... میں نہیں جانتی آپ کے دماغ میں یہ کمتری برتری کا خناس کیوں سمایا ہوا ہے، مگر اتنا جان لیجیے آپ کے گھر والوں سے میرا تعلق کسی غرض کا نہیں، دل کا ہے۔ محبت کی فاختہ ہوں میں، جہاں پیار ملے گا جاؤں گی، آپ جیسے بد دماغ اور گھمنڈی لوگ میرا راستہ نہیں روک سکتے۔''

''چٹاخ......'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی زاویار کے زوردار تھپڑ نے اسے لڑکھڑانے پر مجبور کر دیا۔

''میرا خیال ہے، یہ تھپڑ آپ کو آپ کی اوقات یاد دلانے کے لیے کافی ہے۔'' لبوں پر تلخ مسکراہٹ بکھیرے وہ شاید اس کے ضبط کا امتحان لے رہا تھا۔

عائلہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

اتنی تحقیر؟

اس قدر ذلالت؟

وہ کتنی ہی دیر تک اسے پھٹی پھٹی نا قابل یقین نگاہوں سے دیکھتی رہی تھی، تب ہی اس نے پر ہیان کو کمرے کی دہلیز پر پھر سے نمودار ہوتے دیکھا تھا۔

''بھائی آ بھی جائیں پلیز، اور کتنا انتظار کروں؟'' زاویار چونکا، عین اسی لمحے عائلہ نے اپنی آنکھیں انگلیوں کی پوروں سے صاف کی تھیں۔

''مسٹر زاویار صمید، چاہوں تو میں بھی جواب میں آپ کو ایسا ہی تھپڑ مار کر آپ کی اوقات یاد دلا سکتی ہوں مگر میں ایسا نہیں کروں گی، کیونکہ آپ جیسے بدتمیز اور گھٹیا شخص کو میں اپنی نفرت کے قابل بھی نہیں سمجھتی۔'' اس کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ لہجہ بھی دہک رہا تھا، پھر اس سے پہلے کہ پر ہیان اس سے کچھ پوچھتی وہ اپنا پرس اور موبائل اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔ پر ہیان اسے آواز دے کر روکنا چاہتی تھی مگر وہ رکنے کی پوزیشن میں نہیں تھی، اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرتے جا رہے تھے۔ پر ہیان کا دل دکھ سے بھر گیا۔

''بھائی آپ نے عائلہ پر ہاتھ اٹھایا؟''

''ہاں وہ اسی قابل ہے، تم چلو ہمیں دیر ہو رہی ہے۔''

"نہیں..... کبھی نہیں مجھے اب آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا' سمجھے آپ؟" شدید دکھی لہجے میں صفا چٹ انکار کرتے ہوئے وہ خود بھی عائلہ کے پیچھے نکل گئی تھی۔ زاویار نے عجیب سی بے بسی کے احساس کے ساتھ سامنے پڑی میز پر زوردار مکا رسید کردیا۔

اس رات اس کی گھر واپسی بہت لیٹ ہوئی تھی۔

شراب اور شباب کی محفل میں خوب وقت ضائع کرنے کے بعد جس وقت وہ اپنے کمرے میں آیا' اس کے حواس مکمل طور پر اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے' نشے کی شدت کے سبب ہی اگلے روز اس کی آنکھ بہت تاخیر سے کھلی تھی۔ صمید صاحب گھر پر نہیں تھے' وہ ابھی بستر سے نکل کر وارڈ روب کے سامنے کھڑا اپنے کپڑوں کا جائزہ لے رہا تھا' جب ہلکی سی دستک کے بعد سارا بیگم اس کے کمرے میں چلی آئیں' وہ ان کی آمد کی وجہ جانتا تھا' تب ہی بے نیازی سے رخ پھیر گیا۔

"گڈ مارننگ موم۔"

"پھر گڈ مارننگ' کتنی بار کہا ہے السلام علیکم کہا کرو۔"

"او سوری' السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام آج آفس نہیں جانا؟"

"نہیں مام' موڈ نہیں ہو رہا..... کیوں خیریت؟"

"ہوں..... خیریت ہی ہے' مجھے کچھ پوچھنا تھا تم سے۔"

"جی پوچھیں۔"

قطعی فرمانبرداری سے کہتے ہوئے اس نے مڑ کر بغور ان کا چہرہ دیکھا۔ جہاں پھیلی ہوئی سنجیدگی معاملہ سیریس ہونے کا سگنل دے رہی تھی۔ سارا بیگم نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی پھر آہستہ سے رخ پھیر لیا۔

"عائلہ سے کیا کہا ہے تم نے؟"

"کچھ نہیں..... وہ اس قابل ہے کہ میں اس سے کچھ کہوں؟"

"اس قابل نہیں ہے تب ہی پوچھ رہی ہوں۔" زاویار کی بے نیازی پر وہ ہلکی سی مشتعل ہوئی تھیں۔

وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

"مجھے اس سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے مما' بس یونہی ذرا سی اوقات یاد دلائی تھی اسے۔"

"مگر کیوں؟ تم کون ہوتے ہو اسے اس کی اوقات یاد دلانے والے۔ وہ تم سے لے کر کھاتی ہے تمہاری مقروض ہے' بیوی ہے' لونڈی ہے' کیا ہے؟" پہلی بار وہ اس پر غصہ ہوئیں تھیں' وہ بھی عائلہ علوی کی وجہ سے' زاویار دنگ رہ گیا۔

"مما آپ اس دو ٹکے کی لڑکی کے لیے اپنے بیٹے سے لڑ رہی ہیں؟"

"نہیں..... لڑ نہیں رہی' سمجھا رہی ہوں' کیونکہ میں نہیں چاہتی جس بیٹے سے میں اتنا پیار کرتی ہوں' وہ کسی کی دل آزاری کرے' بے وجہ کسی کو تکلیف پہنچا کر اس کی بددعائیں لے' اللہ کے ناپسندیدہ بندوں کی لسٹ میں شامل ہو کیونکہ تم نہیں جانتے' انسان جتنا بھی گنہگار ہو وہ رحمٰن و رحیم' جس کے سینکڑوں صفاتی نام ہیں' اپنے ہر بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے' کوئی اس کے کسی بندے کی دل آزاری کرے وہ معاف نہیں کرتا حالانکہ اس کی صفات میں رحم و کرم کی کوئی حد نہیں' اور پھر..... عائلہ تو بہت پیاری بچی ہے' میں نے کبھی اس میں عام لڑکیوں جیسی کوئی بات نہیں دیکھی۔"

''سوری مما' میں نہیں جانتا وہ کیسی ہے کیسی نہیں' مگر مجھے اس سے بہت نفرت ہے' پتہ نہیں کیوں۔'' دبے دبے غصے میں اس نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔
سارا بیگم گہری سانس لے کر رہ گئیں۔
''پاگل ہو تم اور کچھ نہیں' بہرحال آئندہ میں ایسی کوئی بات نہ سنوں' پریہان اسے لے کر بہت دکھی ہے۔''
''پری پاگل ہے مما' اب میں نے ایسا بھی کچھ نہیں کیا کہ وہ مجھ سے بات کرنا ہی چھوڑ دے۔''
''میں سمجھاؤں گی اسے' تم فریش ہو کر نیچے آجاؤ میں کھانا لگواتی ہوں۔''
''جی ٹھیک ہے اور کوئی حکم؟''
''نہیں اور کوئی حکم نہیں آج کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے۔'' زاویار گہرا سانس بھرتا پھر سے مسکرا کر واڈروب کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے وہ واپس پلٹ گئی تھی۔

❖⌘......⌘❖⌘......⌘❖

جدائی دینے والے تم سے امید وفا کیسی
تعلق ٹوٹ جائے جب' محبت روٹھ جائے جب
تو پھر رسم دعا کیسی' ملن کی التجا کیسی
بھنور میں ڈوبتی کشتی سے ساحل کی تمنا کیا
اکھڑتی سانس ہو تو زندگی کی آرزو بھی کیا
جو منزل کھو چکی ہو اس کی پھر سے جستجو بھی کیا
رضائے عشق پر اچھا سر تسلیم خم کرنا
سسکنے سے یہی بہتر ہے ناامید ہی مرنا
مگر دل نے تمہیں کس واسطے سے یاد رکھا ہے
ابھی تک میں نے کیوں خود کو بہت برباد رکھا ہے
جدائی دینے والے آشنائی کی قسم تم کو
تمہاری کج ادائی' بے وفائی کی قسم تم کو
مجھے اتنا بتا دینا
وفا کی چاہتوں کی مشعلیں کیسے بجھاتے ہیں؟
نشاں کیسے مٹاتے ہیں؟
بھلانا ہو جنہیں' ان کو بھلا کیسے بھلاتے ہیں؟

رات آدھی سے زیادہ بھیگ چکی تھی۔
سبک روی سے چلتی' ٹھنڈی سرد ہوا کے جھونکے' باہر کشادہ سڑک پر ٹپ ٹپ گرتی بارش کی ننھی منی بوندوں کے ساتھ مل کر ایک عجیب سا شور برپا کر رہے تھے۔ کتنا سکون تھا باہر سبک روی سے چلتی سرد ہواؤں میں...... مگر!
ان کے اندر یہ سکون نہیں تھا۔
سارا بیگم ان کے پاس ان کے کمرے میں سو رہی تھیں' کیونکہ پچھلے دو دنوں سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' تاہم ان کے پہلو میں ہوتے ہوئے بھی وہ جیسے صدیوں کی مسافت پر تھیں۔

اس وقت ہلکے ہلکے بخار کے باوجود وہ بستر سے نکل کر ایزی چیئر پر آ بیٹھے تھے سارا بیگم کی آنکھ فوراً کھل گئی۔

''صمید۔''

''ہوں۔'' وہ چونک کر فوراً متوجہ ہوئے تھے وہ اٹھ بیٹھیں۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی؟''

''ہوں۔''

''کوئی پریشانی ہے؟''

''نہیں۔''

''پھر وہاں کیوں بیٹھے ہیں؟''

''بس یونہی...... کچھ گھبراہٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔''

''زاویار کو جگاؤں؟''

''نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں، میں ٹھیک ہوں تم سو جاؤ پلیز۔'' ان کے لہجے میں قطعیت تھی۔

سارا بیگم نے سر جھکا لیا۔

''ٹھیک ہے، کچھ دنوں سے میں آپ کو کچھ بتانا چاہ رہی تھی۔''

''کیا؟''

ان کے کمزور سے لہجے پر وہ فوراً ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ سارا بیگم نے ذرا سا رخ پھیر لیا، جیسے وہ الجھن کا شکار ہوں کہ کیا بتائیں اور کیا چھپائیں؟ تب ہی صمید صاحب ان کے قریب آ کر بیٹھے تھے۔

''کیا بتانا چاہتی ہو؟ کیا زاویار کے متعلق؟''

''نہیں...... زاویار کے بارے میں نہیں، پرہیان کے بارے میں۔''

''پرہیان کے بارے میں؟...... کیا؟''

وہ جیسے حیران ہوئے تھے۔ سارا بیگم کا سر مزید جھک گیا۔ وہ بولیں تو ان کا لہجہ بہت مدھم تھا۔

''پرہیان کو پتہ چل گیا ہے کہ وہ آپ کی حقیقی بیٹی نہیں ہے۔''

''وہاٹ...... یہ کیا کہہ رہی ہو؟''

''سچ کہہ رہی ہوں، ابھی کچھ روز پہلے گھر واپسی پر وہ بہت دکھی تھی، بہت رو رہی تھی، بہت مشکل سے اس نے مجھے بتایا کہ وہ اپنی حقیقت جان گئی ہے۔''

''کیا مطلب؟ کیا اسے پتہ لگ گیا ہے کہ وہ......؟''

''نہیں...... اسے صرف یہی پتہ لگا ہے کہ وہ آپ کی بیٹی نہیں ہے۔''

''او میرے خدا، میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی میں کبھی یہ سچ اس کے سامنے آ سکتا ہے۔''

وہ یقیناً بہت دکھی ہوئے تھے تبھی انہوں نے اپنی آنکھیں ضبط کی شدت سے میچ لی تھیں۔ سارا بیگم لب کاٹ کر رہ گئیں۔

''میں نے بھی کبھی نہیں چاہا تھا کہ اسے اس حقیقت کا پتہ لگے، وہ خود کو آپ کے حوالے سے معتبر سمجھتی ہے مگر...... زندگی میں ہمیشہ صرف وہی تو نہیں ہوتا جو آپ چاہتے ہیں۔''

''ہوں...... مگر وہ یہ سب کیسے جان سکتی ہے، اس حقیقت کا تو ہم دونوں کے سوا صرف مریہ کو پتہ تھا۔''

''جی...... یقیناً اسی کے گھر سے یہ حقیقت اس کے علم میں آئی ہے' اصل میں ساویز اور درمکنون یونیورسٹی فیلو رہ چکے ہیں' درمکنون کی ساری زندگی ساویز کے سامنے ہے' دوست ہونے کے ناطے شاید وہ اپنی ذاتیات بھی اس کے ساتھ شیئر کرتی رہی ہے' اسی لئے جب ساویز پرہیان کو اس سے ملوانے کے لیے اس کے گھر لے کر گیا تو پرہیان وہاں آپ کی تصویر دیکھ کر ششدر رہ گئی' تب اس کے استفسار پر ساویز نے اسے بتایا کہ وہ تصویر درمکنون کے پاپا کی ہے' جنہیں وہ ٹوٹ کر پیار کرتی ہے' جب پرہیان نے اسے بتایا کہ وہ تصویر تو اس کے پاپا کی ہے تب ساری کہانی کھلی۔''

''تم کہنا چاہتی ہو کہ پرہیان مریدہ اور درمکنون سے مل چکی ہے؟''

صمید صاحب کے مضطرب لہجے پر سارا بیگم نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''نہیں' مریدہ سے نہیں' مگر درمکنون سے ضرور ملی ہوگی' کیونکہ اس کے بقول ساویز اسے درمکنون سے ملوانے ہی وہاں لے کر گیا تھا جہاں وہ چند سال قبل مریدہ کے ساتھ رہتی تھی' اب وہ گھر لاکڈ رہتا ہے' کبھی کبھی ہی درمکنون وہاں آتی ہے۔''

''اوہ...... میں جانتا ہوں میری سزا اتنی جلدی ختم ہونے والی نہیں ہے۔''

اس بار وہ جیسے رو پڑے تھے۔

سارا بیگم ایک تھکی تھکی سی نگاہ ان کے شکستہ سراپے پر ڈالتے ہوئے بیڈ سے اتر آئیں صمید صاحب کے ساتھ ساتھ اس بار وہ خود بھی بہت شکستہ تھیں۔

❖⌘......⌘❖⌘......⌘❖

ابھی وقت ہے' ابھی سانس ہے' ابھی لوٹ آ میرے گمشدہ
مجھے ناز ہے بڑے ضبط کا مجھے خوں رلا میرے گمشدہ
یہ نہیں کہ تیرے فراق میں' میں اجڑ گیا یا بکھر گیا
ہاں محبتوں پہ جو مان تھا' وہ نہیں رہا میرے گمشدہ
مجھے علم ہے کہ تو چاند ہے' کسی اور کا مگر ایک پل
میرے آسمان حیات پر ذرا جگمگا میرے گمشدہ
تیرے التفات کی بارشیں جو میری نہیں تو بتا مجھے
تیرے دشت چاہ میں کس لیے' میرا دل جلا میرے گمشدہ
گھنے جنگلوں میں گری ہوں میں بڑا گھپ اندھیرا ہے چار سو
کوئی ایک چراغ تو جل اٹھے ذرا مسکرا میرے گمشدہ

مریدہ رحمان کی تصویر اسٹڈی ٹیبل پر ان کی نگاہوں کے بالکل سامنے تھی اور وہ جیسے کسی مجرم کی طرح اس تصویر کے بالکل سامنے کرسی پر بیٹھے زار و قطار رو رہے تھے۔

اس وقت وہاں کمرے میں کوئی بھی ان کے آنسوؤں کے ستاروں کو شمار کرنے والا نہیں تھا۔ دن بھر دنیا کے گورکھ دھندوں میں مصروف رہنے کے باوجود شب کے اس پہر وہ اپنے دل کی بے بسی پر قابو نہیں رکھ سکے تھے۔

انہیں یاد تھا شادی کے ابتدائی دنوں میں مریدہ رحمان انہیں پا کر کس قدر خوش تھی۔

اس کی زندگی میں صمید حسن جیسا ہم سفر کیا آیا وہ گویا اداس رہنا ہی بھول گئی' ہر لمحہ ہر پل صمید حسن کی بے تحاشا محبت نے اسے کسی رنگین تتلی کی مانند محبت کے آسمان پر اڑنا سکھا دیا تھا۔

کرنل شیر علی خان اسے خوش دیکھ کر خود بھی بے حد خوش اور مطمئن تھے۔
صمید ان دنوں اپنی فیکٹری کے لیے بے حد سرگرم تھا' اکثر صبح ناشتہ کیے بغیر گھر سے نکل جاتا اور پھر رات گئے بہت لیٹ گھر واپسی کی راہ لیتا' تب تک مریرا اس کے انتظار کی شدت سے ہار مان کر نیند کی بانہوں میں جھول جاتی۔
صبح جب وہ اٹھتا تو وہ اس سے خفا ہوتی مگر وہ اپنے پیار کی جادو کا استعمال کر کے اسے منا لیتا' جب تک وہ نہ مانتی وہ آفس سے لیٹ ہوتا رہتا' تنگ آ کر اسے معافی دینی ہی پڑتی تھی' چھٹی والے دن اس کا ایک ایک لمحہ مریرا اور کرنل صاحب کی امانت ہوتا تھا' خود مریرا بھی اس دن اس کی خوشی کا خاص خیال رکھتے ہوئے اس کے لیے مزے مزے کے پکوان بناتی' اس کی پسند کا ڈریس پہنتی اور خوب آگے پیچھے پھرتی۔
ان دنوں وقت جیسے سنہری ریت کی طرح تھا' جس پر حالات کے سورج کی کرنیں پوری آب و تاب کے ساتھ پڑتی' ہر ہر لمحے کو جگمگا رہی تھیں بالکل ریت کے سنہری ذروں کی طرح۔
اس روز صبح مریرا کی آنکھ کھلی تو وہ سوئے ہوئے صمید کی بانہوں کے حلقے میں جکڑی ہوئی تھی۔ رات جانے کب وہ گھر واپس آیا تھا' اس کا دل چاہ وہ اسے جگا کر خوب جھگڑا کرے مگر پھر کچھ سوچ کر چپ چاپ پڑی رہی۔
صمید حسن سے اس کی شادی کو ایک سال مکمل ہو گیا تھا۔
اس روز ان کی شادی کی سالگرہ تھی' مگر...... صمید کو یاد نہیں تھا۔ دو سے چار اور چار سے آٹھ کی خواہش نے اسے جیسے ہر چیز بھلا دی تھی۔ تب ہی کچھ دیر چپ چاپ پڑے رہنے کے بعد وہ اٹھی اور معمول کی مانند روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔
صمید جس وقت فریش ہو کر کمرے سے باہر آیا وہ کرنل صاحب کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔ اس کے چہرے پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالتے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ آج پھر اسے بخشنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ تب ہی مسکراتے ہوئے وہ جان بوجھ کر اس سے چپک کر بیٹھ گیا تھا۔
"السلام علیکم!"
"وعلیکم السلام! کیسے ہو صمید؟"
اس کے سلام کا جواب صرف کرنل صاحب کی طرف سے آیا تھا' وہ مسکرا دیا۔
"بالکل ٹھیک بابا جان آپ سنائیں صبح صبح لوگ کیا چغلیاں کھا رہے ہیں آپ سے ہماری۔"
"ہاہاہا...... لوگوں کو اتنا تنگ بھی کیوں کرتے ہو کہ وہ چغلیاں کھانے پر مجبور ہو جائیں۔"
"مجبوری ہے بابا جان' جان بوجھ کر تو نہیں کرتا ناں؟"
"بس رہنے دیں' دنیا میں باقی سارے مرد تو جیسے جھک مار رہے ہیں ناں' ایک بس آپ ہی بزنس کر رہے ہیں۔"
اس کی وضاحت پر وہ تپی تھی۔ صمید پھر مسکرا دیا۔
"کہہ سکتی ہو' کیونکہ تمہیں کچھ بھی کہنے کا مکمل اختیار ہے۔"
"بات مت کریں مجھ سے' کیونکہ میں اس وقت آپ کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔"
اگلے ہی پل شدید جذباتی انداز میں کہتے ہوئے وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی۔
صمید کی مسکراہٹ پل میں سمٹ گئی۔
"مریرا۔"
اس نے اسے پکارا تھا مگر وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ تب ہی کرنل صاحب نے کہا تھا۔

''اس کی بات کا برامت منانا صمید' وہ بہت جذباتی ہے اور شاید تم سے پیار بھی بہت کرتی ہے' اسی لیے اس سے تمہاری مصروفیت برداشت نہیں ہورہی' پھر آج تم دونوں کی شادی کی سالگرہ بھی ہے خیال رکھا کرو تھوڑا سا بیٹے' یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہی زندگی کا حسن ہوتی ہیں۔''

''جانتا ہوں بابا! اسے سمجھاتا بھی ہوں مگر کیا کروں آپ تو جانتے ہیں کسی نئی زمین پر پیر جمانا کتنا مشکل ہوتا ہے' ہزار لوگوں سے ملنا پڑتا ہے' ہزار تدبیریں کرنی پڑتی ہیں پھر بھی میں کوشش کروں گا اپنی مصروفیات میں کمی لانے کی۔''

''شاباش...... چلو اب جا کر آنسو پونچھو اس کے' یقیناً وہ رو رہی ہوگی۔''

''جی۔''

کرنل صاحب کی محبت پر آہستہ سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ خود بھی وہاں سے اٹھ آیا تھا۔

مریرا بیڈروم میں تھی اور اس نے اپنی کانچ کی چوڑیوں سمیت وہ سارے تحائف جو صمید نے اسے وقتاً فوقتاً مختلف مواقعوں پر دیئے تھے' توڑ پھوڑ دیئے تھے اور اب ان ٹوٹے ہوئے تحائف کے پاس بیٹھی وہ واقعی رو رہی تھی' اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

''مریرا۔'' بے تابی سے اسے پکارتے ہوئے وہ اس کے مقابل آ بیٹھا تھا تاہم مریرا نے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

''مرگئی مریرا' خبردار جو اب محبت کے نام پر مزید کوئی اور جھوٹ بولا آپ نے۔''

صمید کے دل پر اس کے الفاظ سے جیسے گھونسا سا پڑا تھا مگر اس نے پھر سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''میری مریرا کیوں مرے' مریں اس کے دشمن' تم بتاؤ اب تک کون سا جھوٹ بولا ہے میں نے؟''

''سچ کون سا بولا ہے؟''

تڑخ کر پوچھتے ہوئے اس نے بھیگی پلکیں اٹھائی تھیں' صمید تڑپ کر رہ گیا۔

''کچھ اور سچ ہو نہ ہو مگر یہ سچ ہے مریرا کہ تم میری جان ہے۔''

''بس کرو پلیز' بہت بلیک میل کرلیا آپ نے ایسے الفاظ سے مجھے' اب اور نہیں۔''

وہ بیزار تھی۔ صمید شدید تکلیف میں ہونے کے باوجود ہنس پڑا۔

''بلیک میل؟ کیا بلیک میل کیا ہے میں نے تمہیں؟''

''پتہ نہیں' تم جاؤ پلیز یہاں سے' میرے سر میں پہلے ہی بہت درد ہورہا ہے۔''

''اچھا چلا جاؤں گا' پہلے مبارکباد تو وصول کرلو شادی کی پہلی سالگرہ پر۔''

وہ ہاتھ چھڑا رہی تھی اور صمید اتنی ہی شدت سے ان ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لیے دبا رہا تھا۔

''مجھے نہیں کرنی۔''

''نہ سہی' مگر میں تو پھر بھی وش کروں گا۔ کیونکہ یہ میرا اخلاقی' دینی' معاشرتی اور معاشی فرض ہے۔''

خوشگوار لہجے میں کہتے ہی اس نے مریرا کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا تھا' وہ پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔

''میں جانتا ہوں تم اس وقت بہت غصے میں ہو' میری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتیں' مگر پھر بھی میں تم سے پیار کرتا ہوں مریرا! اتنا کہ شاید تم کبھی تصور بھی نہ کرسکو اور جو آج کا دن ہے اس دن کے لیے میں نے ایک ایک لمحہ انگلیوں پر شمار کیا ہے' اگر یقین نہ آئے تو میری دھڑکنوں سے پوچھ لو۔

مجھ میں بے لوث محبت کے سوا کچھ بھی نہیں

تم جو چاہو میری سانسوں کی تلاشی لے لو

وہ پگھلنا نہیں چاہتی تھی مگر پگھل گئی تھی۔

وہی اس کا سب سے بڑا ہتھیار محبت...... اور وہی مقابل ایک عورت...... وہ پگھلنا نہیں چاہتی تھی مگر پگھل گئی تھی۔

صمید اب اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو دیوانوں کی طرح چومنے کے بعد اسے بتا رہا تھا۔

"یہ دیکھو کل رات پورا ڈیڑھ گھنٹہ مختلف شاپنگ مالز اور جیولرز کی شاپس کی خاک چھاننے کے بعد میں نے تمہارے لیے کتنا پیارا نیکلس خریدا ہے گلے میں پہنو گی تو آئینہ بھی جگمگا اٹھے گا۔"

اس کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں واقعی ایک خوبصورت نازک سا نیکلس جگمگا رہا تھا۔

مریرا کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

"واؤ یہ تو بہت خوبصورت اور قیمتی ہے۔"

"ہوں...... مگر تمہاری مسکراہٹ اور خوشی سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔"

"پھر بھی آپ کو اتنا قیمتی گفٹ نہیں خریدنا چاہیے تھا' ابھی تو آپ نے کام شروع کیا ہے آپ کو زیادہ پیسوں کی ضرورت ہے۔"

"نہیں...... مجھے صرف تمہاری ضرورت ہے مریرا' تمہاری محبت اور تمہاری خوشی کی...... بس......" وہ سرتاپیر محبت کا عکس بنا تھا' مریرا نے آہستگی سے سر جھکا لیا۔

"مجھے لگا آپ کو آج کا دن یاد نہیں رہا۔"

"جانتا ہوں' اسی لیے اتنے قیمتی موتی لٹائے ہیں تم نے۔"

وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھا' مریرا بھیگی پلکوں سمیت مسکرا کر اس کا گال چوم گئی۔

"سوری...... مگر میں نے تو آپ کے لیے کچھ بھی نہیں خریدا۔"

"کوئی بات نہیں' تم سے اپنی پسند کا گفٹ میں خود ہی وصول کرلوں گا۔"

اگلے ہی پل اس کی آنکھوں میں شرارت چمکی تھی۔ مریرا کے چہرے پر سرخی بکھر گئی۔ فوراً اس کی گرفت سے نکلتے ہوئے اس نے فرار چاہا تھا مگر اس لمحے اس کے لیے محبت کے خوبصورت و رنگین پنجرے سے رہائی ممکن نہیں تھی۔

❖ ⌘ ...... ⌘ ❖ ⌘ ...... ⌘ ❖

"صمید......"

اسی روز رات میں وہ کرنل صاحب کے پاس سے اٹھ کر بیڈ پر آیا تھا جب مریرا اس کے پیچھے ہی کمرے میں چلی آئی۔ وہ ٹیلی ویژن آن کرتے کرتے رک گیا۔

"ہوں۔"

"مجھے کچھ بات کرنی تھی آپ سے۔"

"اس وقت؟"

"جی ہاں۔" وہ کچھ سنجیدہ سی تھی۔ صمید نے ریموٹ سائیڈ پر رکھ دیا۔

"کہو۔" اسے ہاتھ پکڑ کر اپنے مقابل بٹھاتے ہوئے وہ خود بھی اٹھ بیٹھا۔ مریرا نے ایک پل کچھ سوچنے کے بعد اپنے گلے سے وہ نیکلس اتار لیا جو اسے صبح ہی صمید نے خود اپنے ہاتھوں سے پہنایا تھا۔

"یہ لیں' مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

اگلے ہی پل وہ نیکلس صمید کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے اس نے سر جھکا لیا تھا۔

"اپنی شادی کی پہلی سالگرہ پر مجھے آپ سے بہت قیمتی گفٹ چاہیے صمید! اور میں توقع رکھتی ہوں کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔"

اس کا انداز ایسا تھا کہ صمید کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

"مریرا......"

"صمید پلیز...... میں اس وقت کوئی وضاحت کوئی نصیحت سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ بہت کچھ پا کر بھی مجھے لگتا ہے جیسے میرا دامن خالی ہے' میں ادھوری ہوں پلیز صمید میرے صبر کا اور امتحان مت لیں' پلیز۔"

صمید کا ہاتھ تھام کر اس کی گود میں سر رکھتے ہوئے وہ رو پڑی تھی۔ وہ شاکڈ رہ گیا۔ مریرا حسن اتنی جلدی اس سے کوئی ایسا مطالبہ بھی کرسکتی ہے' اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ تب ہی وہ برہم ہوا تھا۔

"یہ چیٹنگ ہے مریرا' شادی کی پہلی رات ہی میں نے تم پر واضح کردیا تھا کہ کم از کم اگلے پانچ سال تک میں تمہیں یہ خوشی نہیں دے سکوں گا' تم چاہو تو ساتھ چلو' چاہو تو ساتھ چھوڑ دو' پھر اب ایک دم سے یہ مطالبہ کیوں؟"

"مجھے نہیں پتہ' میں کچھ نہیں جانتی' میں بس اتنا جانتی ہوں کہ میری ذات ادھوری ہے' جس چیز میں اللہ رب العزت کی طرف سے عورت کی تکمیل رکھی گئی ہے' میں اس سے منہ نہیں موڑ سکتی' خدا کا واسطہ ہے آپ کو صمید' اپنے سارے خوف بالائے طاق رکھ کر مجھے تکمیل بخش دیں' مجھے اولاد کی خوشی دے دیں' پلیز۔"

وہ جانتی تھی کہ اگر صمید کی محبت اس کا ہتھیار ہے تو اس کے آنسو بھی اس کا ہتھیار ہیں جن کی ضرب ہمیشہ صمید کے دل پر کاری لگتی تھی۔ اسی لیے اس نے اس وقت اسی ہتھیار سے کام لیا تھا۔ مگر وہ بدک اٹھا۔

"سوری' اگر تم مجھے چھوڑنا چاہتی ہو تو چھوڑ دو' مگر میں ایسا نہیں کرسکتا' کم از کم اگلے پانچ سال تک تو بالکل نہیں۔ اور بہتر ہوگا اگر آج کے بعد تم اس ٹاپک پر مجھ سے کوئی بات نہ کرو۔"

خاصے ترش لہجے میں اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ کمرے میں ٹھہرا نہیں تھا۔

مریرا آنسوؤں سے بھری' بے یقین نگاہوں سے کتنی ہی دیر اسے دیکھتی رہ گئی۔

......☆☆☆......

اگلی صبح اس کے اٹھنے سے پہلے ہی وہ آفس کے لیے نکل گیا تھا۔

مریرا بہت دکھی سی کمرے سے نکل آئی۔ پتہ نہیں رات صمید کہاں سویا تھا۔ وہ ساری رات جاگ کر اس کی کمرے میں واپسی کا انتظار کرتی رہی تھی۔

دل عجیب بے چین سا تھا' پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ اس سے ناراض ہوکر' بنا ناشتہ کیے آفس چلا گیا تھا' وگرنہ جتنی بھی خفگی ہوتی' مریرا اسے خالی پیٹ گھر سے باہر نہیں جانے دیتی تھی۔

اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ اس کی فرمائش پر اتنا شدید ری ایکٹ کرے گا۔

کچھ ایسی غلط فرمائش تو نہیں کی تھی اس نے۔

ماں بننا اس کا حق تھا اور وہ اپنا یہ حق صمید کے بیکار کے خدشات پر قربان نہیں کرسکتی تھی' اس کے دماغ پر جیسے یہی بھوت سوار ہوچکا تھا۔

دن میں دس بار وہ بریرہ کے بچے کے لیے اپنے ہاتھوں سے سیے ہوئے ننھے منے سے کپڑے نکالتی اور چوم کر رکھ دیتی۔

اس کے ہمسائے میں ایک نئی فیملی آئی ہوئی تھی' جن کے دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو سارا دن کبھی اپنی ماں کے

ساتھ تو کبھی تنہا اپنے گھر کے لان میں کھیلتے رہتے تھے مریرا فرصت کے لمحات میں دیر تک ٹیرس پر کھڑی انہیں حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی رہتی تھی۔ اگلے چند روز میں وہ بچے اپنی ماں کے ساتھ اس کے گھر بھی آنے لگے تھے۔ تب ہی اس کے اندر کی ممتا انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تھی مگر صمید کو اس کے معصوم احساسات کی پرواہی کہاں تھی؟

وہ تو اپنے ہی خدشات کے خوف میں جکڑا ہوا تھا۔

اس کے دماغ میں یہ بات جڑ پکڑ کر بیٹھ چکی تھی کہ اگر مریرا نے کسی بچے کو جنم دیا تو وہ جان سے چلی جائے گی اور...... صمید حسن کے لیے یہ تصور ہی بہت خوفناک تھا۔

مریرا حسن کے بغیر اس کی زندگی قطعی بے معنی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ دونوں اپنی اپنی الجھن میں گرفتار ایک دوسرے سے مکمل کنارہ کشی کیے ہوئے تھے۔

......☆☆☆......

اس رات وہ گھر واپس آیا تو مریرا بخار کی لپیٹ میں تھی۔

رات کے تقریباً ساڑھے بارہ بج رہے تھے اور اسے بھوک محسوس ہو رہی تھی پچھلے دو دن سے دونوں کے درمیان بات چیت بند تھی مگر دونوں ہی اپنی ضد چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

اب بھی خود کھانا نکال کر گرم کرنے کے بعد وہ وہیں کچن میں بیٹھ گیا تھا۔

کرنل صاحب تک ابھی ان کی جنگ کی خبر نہیں پہنچی تھی ورنہ یقیناً یہ جھگڑا اب تک ختم ہو چکا ہوتا۔

کھانا کھا کر وہ کمرے میں واپس آیا تو مریرا کمبل میں ہونے کے باوجود ہولے ہولے کپکپا رہی تھی۔ صمید نے بیرونی ونڈو کے پٹ بند کر دیئے۔ یہ بھی شکر تھا کہ اس سے روٹھ کر مریرا نے کمرا نہیں چھوڑا تھا ورنہ وہ تو نیند کو ہی ترس کر رہ جاتا۔

مریرا کے بغیر اس بستر پر اسے نیند ہی نہیں آتی تھی۔ اس وقت بھی کمبل میں گھس کر دائیں بازو پر سر ٹکاتے ہوئے اس نے پہلو کے بل مریرا کی جانب رخ کیا تھا مگر وہ اس کی طرف پیٹھ کیے سو رہی تھی تب ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو سہلایا تھا لیکن مریرا کی طرف سے کوئی رسپانس نہیں دیا گیا۔

وہ تھوڑی دیر چپ چاپ لیٹا رہا ایک مرتبہ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا رخ اپنی طرف پھیر لیا۔

"مریرا۔" اگلے ہی پل وہ اس کے چہرے پر جھک گیا تھا۔ مریرا نے آنکھیں کھول دیں۔

ہلکے ہلکے بخار کے سبب اس کی آنکھیں خوب سرخ ہو رہی تھیں۔

صمید کا دل بے ایمان ہونے لگا۔

"نیند نہیں آ رہی ناں؟"

"آ رہی ہے۔"

وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز برت رہی تھی۔

صمید مسکرا دیا۔

"جھوٹ کب سے بولنا سیکھ لیا ہے تم نے؟"

"میں کوئی جھوٹ نہیں بول رہی پلیز سونے دیں مجھے۔"

"اتنی ناراضگی کہ میری طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں۔"

اب وہ گلہ کر رہا تھا۔

مریرا کا دل دھڑک اٹھا۔

"میری کوئی ناراضگی نہیں ہے آپ سے۔"

"اچھا...... ناراضگی نہیں ہے تو پھر بات چیت کیوں بند کی ہوئی ہے تمہیں تو میرے بازو پر سر رکھے بغیر نیند نہیں آتی تھی اب کیسے آرام سے سو جاتی ہو؟"

وہ جلا ہوا تھا' مریرا کو ہنسی آ گئی۔

"لوگ صحیح کہتے ہیں' واقعی لڑکیاں شادی کے بعد بدل جاتی ہیں' کہاں تو شادی سے پہلے میری ایک لمحے کی نظر اندازی برداشت نہیں ہوتی تھی اور اب تین دن ہو گئے ہیں کوئی پروا ہی نہیں۔"

وہ صحیح دہائی دے رہا تھا۔

مریرا نے اس کے بازو پر سر رکھ لیا۔

"پروا ہے' مگر میں آپ سے ناراض ہوں۔"

"ناراض تو میں بھی ہوں۔"

"کیوں؟ آپ کیوں ناراض ہیں؟"

"تمہیں میری محبت کی قدر جو نہیں۔"

"آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں' کہ مجھے آپ کی محبت کی قدر نہیں۔"

"ابھی بھی کہنے کی ضرورت ہے؟"

اب وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

مریرا نے فوراً پلکیں جھکا لیں۔

"آپ اپنی ضد چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"

"تم کیوں نہیں چھوڑ دیتیں اپنی ضد؟"

"یہ ضد نہیں ہے ماں بننا میرا حق ہے۔"

"اور اپنے شوہر کی خوشی کا خیال رکھنا تمہارا فرض۔"

"تو کیا شوہر کا کوئی فرض نہیں ہے' میں بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتی صمید' پلیز۔"

اگلے ہی پل وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے سیاہ سلکی بال جیسے کالی گھٹاؤں کی مانند اس کی پشت پر بکھرے صمید کا دل بے قرار کر گئے تھے۔

"ہوں بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتیں' مگر میرے بغیر رہ سکتی ہو ہے ناں؟" وہ بھی اٹھ بیٹھا تھا۔

مریرا نے اپنا سر تھام لیا۔

"ایسی فضول بات مت کریں صمید' پلیز...... آپ جانتے ہیں میں آپ کے بغیر ایک پل بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔"

"اگر یہ سچ ہے تو پھر اپنی فضول ضد چھوڑ دو خدا کا واسطہ ہے تمہیں۔"

"کبھی نہیں...... وہ بچے صرف میرے بچے نہیں ہوں گے آپ کا بھی کوئی تعلق ہو گا ان سے۔"

"مجھے کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھنا' سوائے تمہارے۔"

"تو ٹھیک ہے' پھر سو جائیں چپ چاپ' میں فی الحال آپ سے کسی اور موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔"

صمید کے حتمی لہجے پر خفگی سے کہتے ہوئے اس نے اپنا تکیہ اٹھایا اور صوفے پر آ گئی۔

صمید اس کی اس حرکت پر کتنی ہی دیر دل ہی دل میں کڑھتا‘ بلاآخر سو گیا تھا۔

اگلی صبح وہ فریش ہو کر کمرے سے باہر آیا تو مریا بخار کے باوجود کچن میں کام کر رہی تھی۔ وہ سرسری سی ایک نظر اس پر ڈالنے کے بعد‘ کرنل صاحب کے قریب آ بیٹھا‘ جو ناشتے کی میز پر صبح کے اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے صمید کے قریب بیٹھنے پر انہوں نے اخبار ایک سائیڈ پر رکھ دیا۔

”السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام‘ کیسے ہو صمید؟ آج کل بہت لیٹ آنے لگے ہو۔“

”سوری بابا‘ مجھے بہت شرمندگی ہے کہ چاہنے کے باوجود میں اپنا وعدہ وفا نہیں کر پارہا‘ اصل میں‘ میرے جو پارٹنر ہیں‘ وہ اپنے آبائی گاؤں میں ایک پروجیکٹ شروع کر رہے ہیں تو فیکٹری کا سارا کام مجھ غریب پر آ پڑا ہے‘ آپ دعا کریں ان شاءاللہ جلد سب کچھ معمول پر آ جائے گا۔“

”ان شاءاللہ‘ کل سکندر کا فون آیا تھا‘ پاکستان آنا چاہ رہا ہے۔“

”اوہ گڈ‘ یہ تو اچھی بات ہے آپ نے کیا کہا پھر؟“

”کیا کہہ سکتا تھا‘ ایک بوڑھا باپ‘ جس کی بیٹی اس کی آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر رہی ہو اور اس کا اتنا سا بس نہ چلے کہ وہ اس بیٹی کے دغاباز شوہر کو دیارِ غیر سے بلا کر اس کے جنازے کو کندھا ہی دلوا سکے‘ اس باپ کو کیا کہنا چاہیے تھا‘ تمہاری نظر میں؟“

”میں آپ کا درد سمجھ سکتا ہوں بابا‘ مگر گزرے ہوئے برے لمحات کو بھول جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔“

”تم بھول سکتے ہو صمید‘ مگر وہ باپ نہیں بھول سکتا جس نے خود اپنے بوڑھے ہاتھوں سے اپنی بے قصور جوان بیٹی کو مٹی کے سپرد کیا ہو۔“

اس بار ان کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

صمید نے رخ پھیر لیا۔

”میں نے اسے کہہ دیا ہے‘ جب تک میں زندہ ہوں‘ تب تک وہ بھول کر بھی مجھے اپنی شکل نہ دکھائے‘ وگرنہ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔“

”یہ ایک مشکل فیصلہ ہوگا بابا‘ میرا خیال ہے آپ کو ایک بار پھر اپنے فیصلے پر نظرثانی کرنی چاہیے۔“

”نہیں...... مشکل فیصلہ وہ تھا جب صرف بریرہ کی پسند کی وجہ سے بنا سکندر سے کھل کر بات کیے‘ میں نے اپنی پھول جیسی بچی کا نکاح اس جیسے قطعی غیر ذمے دار شخص کے ساتھ کر دیا تھا‘ اب تو سارے فیصلے ہی آسان ہو گئے ہیں‘ میرے خیال سے دنیا کا کوئی باپ اپنی معصوم اولاد کے قاتل کو معاف نہیں کر سکتا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے‘ مگر قاتل بھی تو آپ کا اپنا بیٹا ہے بابا۔“

”کبھی تھا‘ اب نہیں ہے اور بہتر ہوگا صمید اگر آج کے بعد ہم کبھی اس موضوع پر کوئی بات نہ کریں۔“

وہ سمجھ سکتا تھا کہ بریرہ کی موت کے بعد کرنل صاحب جیسے ٹوٹ کر رہ گئے تھے‘ محض پچاس سال کی عمر میں وہ صدیوں کے بوڑھے نظر آنے لگے تھے۔

تبھی اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

”ٹھیک ہے بابا‘ میرے لیے آپ کی خوشی سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔“

”شاباش...... جیتے رہو۔“

مریا چائے لے آئی تھی۔
صمید نے اسے تنگ کرنے کے لیے ناشتے سے صاف معذرت کرلی۔
"میں اب چلتا ہوں بابا' ناشتا آفس جا کر ہی کروں گا۔"
"نہیں' ابھی بیٹھو' مجھے کچھ بات کرنی ہے تم سے۔"
وہ آج اسے بخشنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ ناچار اسے بیٹھنا پڑا۔
"جی حکم کریں' کیا بات ہے؟"
"ناشتہ کرو پہلے۔"
وہ اس کی شرارت جان گئے تھے۔ صمید چپ چاپ کپ اٹھا گیا' تب ہی وہ بولے تھے۔
"میں کچھ دنوں سے نوٹ کررہا ہوں' مریا بہت اداس ہے' شاید وہ بریرہ کی کمی محسوس کرتی ہے' ایسے میں تمہارے پاس بھی اسے دینے کے لیے زیادہ وقت نہیں ہے۔" اصل بات سے پہلے انہوں نے تمہید باندھی تھی۔
وہ چپ چاپ چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے انہیں سنتا رہا۔
"میرا ایک دوست ہے' اظہار...... گاؤں میں ہم دونوں کے گھر ایک دوسرے سے بہت قریب تھے' بعد میں' میں فوج میں چلا گیا اور وہ نمبردار بن گیا' مگر ہمارا تعلق نہیں ٹوٹا' وہ شہر بہت کم آتا ہے' مگر میں جب بھی گاؤں جاتا ہوں' دو تین دن سے پہلے واپس نہیں آنے دیتا' بریرہ اور مریا کو بالکل اپنی سگی بیٹیوں کی طرح سمجھتا ہے' جن دنوں بریرہ کی موت ہوئی وہ ہسپتال میں بیمار پڑا تھا' اب اس کی بیٹی اور بیٹے کی شادی ہے' بہت اصرار سے شادی میں شرکت کی دعوت بھیجی ہے اس نے' میری خواہش ہے تم مریا کو لے کر اس شادی میں جاؤ' تاکہ اس کا دل بھی بہل جائے اور اظہار بھی خوش ہوجائے۔"
"ٹھیک ہے بابا' میں لے جاؤں گا' مگر آپ بھی تو چلیں۔"
"مجھے پنڈی کچھ کام ہے' میں بعد میں آجاؤں گا۔"
وہ پورا پروگرام ترتیب دیئے بیٹھے تھے۔
صمید نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔
"ٹھیک ہے جیسے آپ بہتر سمجھیں' مریا سے بات کرلی آپ نے؟"
"ہوں' وہ تیاری کرلے گی' کل صبح نکل جانا تم لوگ۔"
"ٹھیک ہے' اب جاؤں آفس؟"
"ہوں جاؤ۔"
لبوں پر مسکراہٹ پھیلائے کرنل صاحب نے اسے اجازت دی تھی۔
وہ مسکرا کر ان سے گلے ملتے ہوئے آفس کے لیے نکل گیا۔

❖⌘......⌘❖⌘......⌘❖

شام ڈھلنے کو تھی۔
وہ دونوں گاؤں پہنچے تو تھکن سے دونوں کا برا حال تھا۔
سورج اپنی تمام تر تمازت سمیٹ' دھیرے دھیرے افق کے اس پار غروب ہوتا جارہا تھا۔ مریا نے دیکھا' شام کی نارنجی مدھم پڑتی روشنی تاحد نظر' لہلہاتی فصلوں کو ایک عجب سا حسن بخش رہی تھی۔

گاؤں کے کچے پکے گھروں سے اٹھتے دھوئیں کے مرغولے اور کھیتوں سے اپنے گھروں کو لوٹتے مویشی اسے ایک عجیب سے احساس سے دوچار کررہے تھے۔

بچپن سے ہی اسے گاؤں اور گاؤں کے لوگوں سے بہت محبت تھی۔ وہ کئی بار بچپن میں بریرہ کے ساتھ وہاں اس گاؤں میں آئی تھی اور جتنے دن اس کے یہاں گزرے انہیں وہ اپنی زندگی کے بہترین دنوں میں شمار کرتی تھی۔

اس وقت بھی ٹرین کے لمبے سفر کے بعد صمید کی ہمراہی میں جیسے ہی وہ تانگے پر گاؤں کی کچی حدود میں داخل ہوئی اس کا دل عجیب سی لے پر دھڑکنے لگا تھا۔ ہوا کے سنگ آتی کھیتوں کی خوشبو اسے اپنے اندر تک اترتی محسوس ہورہی تھی۔

کتنی خوب صورت تھی گاؤں کی زندگی۔

پرسکون پرکیف پرلطف......!

وہ ایک ایک منظر کو بغور دیکھتی ماحول میں کچھ ایسی کھوئی کہ ساتھ بیٹھے صمید کی پرتپش نگاہوں کا احساس بھی نہ ہوسکا چونکی تو اس وقت جب تانگہ چھوٹی حویلی کے سامنے ایک دم سے رک گیا۔

پچھلے دس سالوں میں وہاں اس گاؤں میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوگئی تھیں مگر چھوٹی حویلی کے درودیوار پر کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی وہ اب بھی ویسی ہی تھی جیسی مریرا کے بچپن میں ہوا کرتی تھی۔ مریرا حسرت بھری پرشوق نگاہوں سے حویلی کے بیرونی حصے کو دیکھتی تانگے سے اتر آئی۔

صمید نے کرایہ ادا کرنے کے بعد بھاری بیگ اپنی تحویل میں لے لیا۔

وہ دونوں حویلی میں داخل ہوئے تو جیسے وہاں عید کا سماں بپا ہوگیا۔

اظہار صاحب ان کی بیگم بہوئیں اور ان کے بچے سب مریرا اور صمید کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے تھے۔ صمید ان لوگوں کا پیار دیکھ کر حیران رہ گیا۔

ابھی انہیں وہاں بیٹھے دو منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ خالص دودھ سے بنی چائے باقر خانیاں اور نمکو آگئی صمید کا تھکن سے برا حال تھا لہٰذا چائے پینے کے بعد وہ تو سونے چلا گیا تاہم مریرا تھکن کے باوجود وہیں بیٹھی انہیں اپنے حالات کے بارے میں بتاتی رہی۔

بارہ کمروں پر مشتمل چھوٹی حویلی بے حد پرانی ہوکر بھی اس وقت انوکھی چھب دکھا رہی تھی۔ تبھی چودھرانی نے اسے بتایا تھا۔

"بریرہ کی ناگہانی موت کا سن کر بڑا دکھ ہوا تھا بچے مگر چوہدری صاحب ان دنوں ہسپتال میں بستر پر پڑے تھے اس لیے چاہ کر بھی میں اور چوہدری صاحب تمہارا اور بھائی جی کا دکھ بانٹنے نہیں آسکے پر اللہ جانتا ہے مجھے اور چوہدری صاحب کو اس انہونی خبر سے بڑا دکھ پہنچا تھا کیسی پھول سی بچی تھی کتنی جلدی مٹی کی گود میں جاسوئی ابھی تک کلیجے میں ہول اٹھتے ہیں۔"

وہ رو رہی تھیں۔

مریرا کا زخم پھر سے تازہ ہوگیا اس کی آنکھیں ایک پل میں آنسوؤں سے بھر آئی تھیں۔

"بھائی جی نے بہت زیادتی کی ہمارے ساتھ بریرہ تو چلوان کے بیٹے کی منگ تھی مگر تمہارے لیے تو ایک بار ہم سے مشورہ کرتے ادھر اس کی قبر کی مٹی خشک ہوئی نہیں اور ادھر تمہارا نکاح بھی کردیا وہ بھی ایک بالکل انجان لڑکے کے ساتھ کچھ تو سوچتے بھائی جی ہمیں ایک موقع تو دیتے بات کرنے کا سب کچھ بالا ہی بالا طے کرلیا جیسے ہمارا کوئی حق

ہی نہیں تھا تم پر۔"

اگلے ہی پل وہ اس سے گلہ کررہی تھیں۔

وہ بے اختیار نظریں چرا گئی۔

تب ہی چوہدری صاحب نے ہنکارہ بھرا تھا۔

"چھڈ زلیخا' جو ہو گیا سو ہو گیا' ہن بچی نوں پریشان نہ کر۔"

"نہیں چاچا' پریشانی کی کیا بات ہے' جتنا پیار آپ نے اور چاچی نے مجھے اور بریرہ کو دیا اس کے بعد غصہ گلہ کرنا آپ کا حق بنتا ہے' مگر بڑے ابو نے جو بھی کیا حالات سے مجبور ہو کر کیا' بریرہ کی موت کے بعد حالات بہت گھمبیر ہو گئے تھے' ایسے میں صرف میری خوشیوں کے لیے انہیں فوری طور پر وہ سب کرنا پڑا جو عام حالات میں شاید وہ کبھی نہ کرتے' پلیز آپ ان سے ناراض نہ ہوں' وہ بہت شرمندہ ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے پتر...... جو سوہنے رب کی مرضی۔"

اس کی وضاحت پر اظہار صاحب نے ٹھنڈی سانس بھر کر اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ دھرا تھا' مریرا سر جھکا کر رہ گئی۔

عین اسی لمحے کوئی باہر سے وہاں بڑے سے کشادہ صحن میں آیا تھا۔

"السلام علیکم!"

آنے والے کی نظر مریرا پر نہیں پڑی تھی مگر مریرہ نے اسے دیکھ لیا تھا' تب ہی وہ فوراً چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"عمر؟"

اس کی آنکھوں میں جتنی حیرانی تھی' اتنی ہی چمک بھی تھی۔

آنے والا بھی اسے دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا۔

"مریرا تم؟"

صرف ایک پل میں جیسے طوفان آ گیا تھا' اس کی آنکھوں میں بھی اور دل میں بھی' مگر مریرا کو اس طوفان کی خبر نہ ہو سکی۔

وہ اب بھی دلکشی سے مسکرا رہی تھی۔

"کیسے ہو نیم چڑھے کریلے؟"

وہ بدلی نہیں تھی۔ اسے خود کو سنبھالنا پڑا۔

"ٹھیک ہوں' تم کیسی ہو؟"

"بے حد پیاری' ہمیشہ کی طرح۔"

وہ شوخ ہوئی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔

"لگتا ہے ابھی تک خوش فہمیوں کا بخار چڑھتا ہے تمہیں' بہرحال کب آئیں؟"

وہ قریب آیا تھا' چوہدرانی یاسیت سے اس کی طرف دیکھتی سر جھکا گئیں۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے' تم ایبروڈ سے کب آئے؟ چاچی بتارہی تھیں تم باہر گئے ہوئے تھے پڑھنے کے لیے؟"

"ہوں' ابھی ایک سال پہلے ہی گیا تھا' تم سناؤ خوش ہوناں؟"

''ہوں، بہت خوش۔''

''چلو شکر ہے اللہ کا' کسی بیچارے کی قربانی تو قبول ہوئی۔''

لمبی سانس بھرتے ہوئے وہ ہلکے سے مسکرایا تھا۔ مریرا اسے گھور کر رہ گئی۔ کتنے سالوں بعد ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا' اور گزرے ہوئے ان سالوں میں دونوں ہی کتنے بدل کر رہ گئے تھے۔

''رات بہت ہوگئی ہے' سو جاؤ اب' باقی سب باتیں صبح ہوں گی۔''

اگلے ہی پل وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

مریرا اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

وہ کمرے میں آئی تو صمید گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ کچھ دیر یک ٹک اسے دیکھتی رہی پھر بیڈ کی دوسری سائیڈ پر آ کر چپ چاپ لیٹ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں نیند نے اسے بھی ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا تھا۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو حویلی میں زندگی اپنے معمول پر تھی۔

حویلی کے مکین اور ملازمین ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے' تاہم مریرا اور صمید کے ناشتے کے لیے ابھی بھی چولہے میں آگ جل رہی تھی۔

حویلی کے بڑے سے کشادہ صحن میں چڑیوں کے غول کے غول اترے اپنے اپنے حصے کا رزق تلاش کر رہے تھے۔ صمید اچ باتھ میں تھا' وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے بڑے سے کشادہ صحن میں چلی آئی جہاں برگد کے درخت کے نیچے بڑے سے تخت پر چوہدرانی بیٹھی مختلف ملازمین کو شادی کے کاموں کے سلسلے میں ہدایات دے رہی تھیں۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! اٹھ گئیں پتر؟''

''جی چاچی۔''

''شاباش...... صمید پتر بھی اٹھ گیا کہ نہیں؟''

''اٹھ گئے ہیں' باتھ لے رہے ہیں۔''

''چلو اچھی بات ہے' نیند تو ٹھیک سے آ گئی تھی ناں؟''

''جی چاچی' نیند بھلا کیسے نہ آتی' حویلی کی یہ اونچی دیواریں میرے لیے قطعی انجان نہیں ہیں۔''

''اچھا......؟''

اس بار اس کے الفاظ پر عقب سے آواز آئی تھی۔ وہ مسکرا دی۔

''کوئی شک؟''

''شک تو ہو ہی جاتا ہے جب کوئی سالوں پلٹ کر پیچھے کی خبر نہ لے۔''

اگلے ہی پل وہ سامنے آ بیٹھا تھا' وہ رخ پھیر گئی۔

''خبر تو تم نے بھی نہیں لی' تم پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی شہر میں داخلے کے لیے۔''

''میں یہاں تھا ہی کب' خیر چھوڑو' چلو اٹھ کر ناشتہ بناؤ میرے لیے' شاباش۔''

''میں......؟''

مریرا کو حیرت ہوئی' عمر نے لب بھینچ لیے۔

''ہوں تم...... کیوں یہاں کوئی اور مریرا بھی ہے۔''

خالق کائنات

☐ اللہ سے نزدیک ہونے کے لیے اللہ کے بندوں سے نزدیک ہوجاؤ (جبران)
☐ اس آدمی سے ہوشیار رہو جو یہ سمجھتا ہے کہ خدا صرف آسمان پر رہتا ہے (برنارڈ شاہ)
☐ تمام علماء اور اساتذہ یہ بات سمجھنے سے عاجز و قاصر ہیں کہ وجود کیونکر ہوا اور یہ کیونکر برابر ہوتا چلا جارہا ہے' ہمیں ایسے خالق حقیقی کا اقرار کرنا ہی پڑتا ہے جو ہمیشہ اور ہر وقت موجود ہے (فلامریاں)
☐ سیکنڈ منٹوں میں' منٹ گھنٹوں میں' گھنٹے دنوں میں' دن ہفتوں میں' ہفتے مہینوں میں' مہینے سالوں میں' سال صدیوں میں تبدیل ہورہے ہیں۔
☐ سورج اور چاند نکل رہے ہیں' ستارے جگمگ کررہے ہیں' زمین پر پودے اُگ رہے ہیں' ہوا چل رہی ہے' درختوں کے پتے ہل رہے ہیں۔ پھول اور پھل نمودار ہورہے ہیں' شبنم گر رہی ہے' سمندر میں پانی بہہ رہا ہے۔ کوہِ آتش فشاں سے چنگاریاں نکل رہی ہیں' یہ انسان ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہورہا ہے' جانور گھوم رہے ہیں۔ غرض ساری کائنات حرکت میں ہے اور حرکت تحریک اور طاقت کے تابع ہوتی ہے تو پردہ کون سی تحریک...... وہ کون سی طاقت ہے' جس کی وجہ سے کائنات میں حرکت کی یہ رونق موجود ہے' دل سے بے اختیار جواب آتا ہے وہ محرم' وہ طاقتور ذات اعلیٰ ذات ہے' جس کے وجود کے بارے میں آنکھیں رکھنے کے باوجود اندھے' کان رکھنے کے باوجود بہرے اور عقل رکھنے کے باوجود بے وقوف لوگ انکار کرتے ہیں اور ایمان' احساس اور بصیرت رکھنے والے اقرار......!" (ابوسنان)
حرا قریشی...... بلال کالونی' ملتان

"عمر پتر...... وہ مہمان ہے۔"
چوہدرانی نے اسے تنبیہ کرنا چاہی تھی مگر عمر نے ہاتھ اٹھادیے۔
"ماں جی پلیز..... آپ درمیان میں نہیں آئیں گی یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے' بھلے اس کی شادی ہوگئی ہو مگر یہ میری دوست تو ہے ناں' اس کے موجود ہوتے ہوئے میں کسی اور کے ہاتھ کا پکا کیسے کھاسکتا ہوں؟"
اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ چوہدرانی چپ کرگئی تھیں۔
"ٹھیک ہے' پھر چلو تم بھی ہیلپ کرواؤ میری۔"
مریرا اس کے مزاج سے بخوبی واقف تھی' تب ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
وہ مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔
مٹی کے چولہے میں گوبر سے بنے اپلے ابھی تک دہک رہے تھے' مریرا نائیلون کے تاروں سے بنا خوب صورت پیڑھا کھسکا کر ایک سائیڈ پر بیٹھ گئی' جبکہ عمر چولہے کے سامنے رکھی پیڑھی پر بیٹھ گیا تھا۔
نیوی بلو شلوار سوٹ میں اس کا ابھرا ابھرا سراپا اور پیشانی پر بکھرے گھنے سنہری بال اس کی وجاہت میں بے پناہ اضافہ کررہے تھے' دونوں بازوؤں کے کف مڑے ہوئے تھے اور دونوں کلائیوں پر چمکتے سنہری بال اس وقت بے حد بھلے لگ رہے تھے' دائیں کلائی پر بندھی بلیک سٹریپ والی قیمتی رسٹ واچ الگ چھب دکھارہی تھی۔ مگر اسے پروا کہاں تھی وہ اب بھی خود سے اتنا ہی بے نیاز تھا' جتنا کہ نوعمری میں ہوا کرتا تھا۔
مریرا اس کے مختصر جائزے کے بعد اب آٹا گوندھ رہی تھی جب وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔
"بریرہ کی موت کی خبر ملی تھی مجھے' لندن میں تھا میں' بہت کوشش کی پاکستان آنے کے لیے مگر نہیں آسکا' بہرحال بہت دکھ ہوا تھا' وہی تو ایک دوست تھی میری' بے حد ہمدرد اور صلح جو۔"

"ہوں...... میں سمجھ سکتی ہوں۔"

"کاش تم بھی اس جیسی ہوتیں مریا' کاش۔"

"کیوں؟ میں نے کون سی بھینس چرائی ہے تمہاری؟"

فوراً وہ خفا ہوئی تھی وہ مسکرا دیا۔

"پتہ نہیں کیا کیا چرا چکی ہو تم میرا' مگر جانے دو اب کیا حساب کتاب کرنا تم سے۔"

"تم بہت بدل گئے ہو عمر' پہلے تو پیشانی کے بل بھی کم نہیں ہوتے تھے تمہارے' تمہیں یاد ہے ایک بار میں نے تمہارے کبوتر کو اڑا دیا تھا تو تم نے کتنی پٹائی کی تھی میری' پورے دو دن روتی رہی تھی میں مگر تم نے ایک بار بھی معافی نہیں مانگی۔"

"ہوں۔" وہ کھل کر مسکرایا تھا۔

"میں نے معافی نہیں مانگی' مگر اس کے بعد دوبارہ کبھی کوئی کبوتر نہیں لایا حویلی میں۔"

"کیوں؟"

"بس...... دل ہی نہیں کیا۔"

چولہے میں آگ اب زور پکڑ چکی تھی' مریا نے جلدی سے توا رکھ دیا۔

"ابیرو ڈ سے کب آئے؟"

"ابھی...... ایک ہفتہ پہلے۔"

"شادی کیوں نہیں کی؟"

"بس یونہی' دل ہی نہیں چاہا۔"

"دل کی کچھ زیادہ ہی نہیں سننے لگ گئے ہیں آپ؟"

اب وہ مسکرا رہی تھی۔

دہکتی نارنجی آگ میں اس کے گال خوب تپ رہے تھے۔ وہ بے ساختہ رخ پھیر گیا۔

"کہاں ڈیئر...... دل کی سن لیتا تو دل آج ویران نہیں ہوتا۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"تم سمجھو گی بھی نہیں' چلو شاباش ناشتہ بناؤ' میں آتا ہوں ابھی۔"

مریا کے الجھنے پر وہ فوراً اٹھ کر رسوئی سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ سر جھٹکتی دوبارہ ناشتے بنانے میں لگ گئی۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

